حضرۃ العلام حافظ محمد صاحب گوندلوی

**دوامِ حدیث** — **قسط نمبر ۱۲**

# ایک اسلام

## قرآن میں ردّ و بدل:

"لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لکتبتها الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما فانا قد قرأناها" (مؤطا)

اگر پڑھتے رہے تو نکالی کس نے؟ اور اگر نکال دی گئی تھی تو اللہ کا وعدہ حفاظت قرآن کیا ہوا۔ اس موضوع پر ایک حدیث بخاری میں بھی موجود ہے:

عن عمر بن الخطاب قال ان اللہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ وسلم وانزل علیہ الکتاب فکان فیما انزل آیت الرجم"

عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ اللہ نے محمد کو رسول بنا کر بھیجا اور اس پر ایک کتاب نازل کی، جس میں آیت رجم بھی موجود تھی"

یعنی امام بخاری نے بھی یہ تسلیم کر لیا کہ قرآن میں آیت رجم موجود تھی، لیکن یہ نہیں بتایا، وہ گئی کہاں؟" (دو اسلام صد ۱۶۹)

مؤطا کی روایت کا ایک یہ مطلب ہے کہ بہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

نافذ کیا اور ہم نے بھی پڑھا۔ یعنی یہ حکم بہت اہم ہے جس کا آپ نے عام اعلان کیا تھا اور اس پر عمل کیا مگر یہ حکم چونکہ قرآن میں صاف طور پر مذکور نہیں بلکہ اس سے مستنبط ہے۔ یعنی سورہ مائدہ آیت محاربہ سے یہ حکم نکلتا ہے۔ اگر میں اس کو قرآن کے ساتھ لکھ دوں تو لوگ کہیں گے کہ عمر نے اللہ کی کتاب میں اضافہ کر دیا ہے، اس لئے میں نہیں لکھتا اگر یہ خطرہ نہ ہوتا بلکہ لوگ اس حکم کو بدستور قرآن سے مستنبط ہی سمجھتے رہتے تو اس کو قرآن مجید کے کنارے پہ لکھ دیتا۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن کی آیت ہے مگر میں ہی اس کو قرآن کی آیت سمجھتا ہوں۔ دوسرا کوئی شخص بھی میرے ساتھ اس کو قرآن کی آیت خیال نہیں کرتا اگر میں اپنے خیال کے مطابق اس کو قرآن میں لکھ دوں تو لوگ کہیں گے کہ عمر نے کتاب اضافہ کر دیا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس حکم کے متعلق غلط فہمی ہوئی، وہ غلطی سے اس کو قرآن کی آیت سمجھتے تھے۔ دوسرا کوئی آدمی بھی آپ کے ساتھ اس بات میں شریک نہ تھا۔ دوسرے تمام صحابہ اس کے خلاف تھے۔ لہذا انہی کی بات درست ہونی چاہیئے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں لیکن معصوم صرف پیغمبر کی ذات ہوتی ہے۔

... اور بخاری کی حدیث میں بھی یہی توجیہ ہے۔ پہلی توجیہ کی رو سے آیۂ رجم کے معنے حکم رجم کے ہوں گے اور کتاب سے مراد حکم ہوگا۔ یا کتاب سے مراد قرآن اور آیت سے مراد وہ آیت جس سے یہ حکم مستنبط ہوتا ہے، پس قرآن مجید میں ردّ و بدل کا خیال باطل ہو گیا۔

آگے ایک قرأت لکھی ہے جو آجکل مروج نہیں۔ اس سے بھی یہی سمجھا ہے کہ اس سے قرآن میں ردّ و بدل ہو گیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

"ابوالدرداءؓ نے علقمہ سے پوچھا کہ حضرت عبداللہ "واللیل" کی تلاوت کس طرح کرتے ہیں؟ تو علقمہ بولے، اس طرح:

"واللیل اذا یغشٰی۔ والذکر والانثیٰ"

آپ نے فرمایا، خدا کی قسم میں نے رسول اللہ سے یہ آیت اس طرح سنی اور

میں اس طرح پڑھوں گا" (صحیح مسلم ج ۲ ص۳۶۲)
تو گویا تین جلیل القدر صحابہ نے شہادت دی کہ یہ آیات مذکورہ صورت میں نازل ہوئی تھیں، لیکن آج قرآن شریف میں یوں درج ہے:
"واللیل اذا یغشیٰ ٥ والنھار اذا تجلیٰ ٥ وماخلق الذکر والانثیٰ "
اب کس کو صحیح تسلیم کریں، ان صحابہ کو یا صحیح مسلم کو یا قرآن شریف کو؟ لازماً یہی کہنا پڑے گا کہ ہمارا قرآن صحیح ہے اور یہ حدیث غلط ہے"

مؤطا کا ذکر کرتے کرتے صحیح مسلم تک پہنچ گئے، حدیث غلط نہیں بلکہ آپ کے فہم کی غلطی ہے۔ آج کل قرآن مجید میں "وماخلق الذکر والانثیٰ" ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ما مصدریہ ہو اور دوسرا یہ کہ ما موصولہ ہو۔ عبداللہ کی قرأت سے اس کے مصدریہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے یہ پڑھا، قرآن تو دراصل یہی ہے جو ہمارے پاس ہے۔ عبداللہ بن مسعود اور ابوالدرداءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تفسیر کی قرأت سنی تو اسی طرح یاد کرلیا۔ اس قسم کی غلطیاں آدمی سے ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود معوذتین کو قرآن میں داخل نہیں کرتے تھے، اور فاتحہ کو مصحف سے کھرچ دیا کرتے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ فاتحہ کا کوئی مقام متعین نہیں، اس لئے مصحف میں لکھنا نہیں چاہیئے۔ اور معوذتین کا نزول دم جھاڑ کے لئے ہے اس واسطے ان کو بطور قرأت نہیں پڑھنا چاہیئے۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت دراصل اس طرح ہے "واللیل اذا یغشیٰ والنھار اذا تجلیٰ والذی خلق الذکر والانثیٰ" ہے جیسے ترمذی ص۱۱، ج ۲ میں ہے۔ آپ کا حوالہ مسلم کا تو ملا نہیں، صرف ہماری قرأت اور عبداللہ کی قرأت میں "وماخلق" کے ذکر اور حذف کا فرق ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ایک قرأت ہو۔

پھر تین جلیل القدر صحابی کی بھی خوب کہی۔ ابوالدرداء اور عبداللہ تو صحابی ہیں، مگر علقمہ متنازع فیہ۔ صحیح بات یہ ہے، وہ صحابی نہیں، اگر ہوں بھی تو جلیل القدر نہیں۔ بہرحال شاگرد ہیں عبداللہ کے، گواہ اصل صرف دو ہوئے۔
اس کے بعد ذکر کیا ہے:

"حضرت انسؓ سے روایت ہے جو لوگ بیر معونہ میں شہید ہو گئے تھے، ان کے متعلق مندرجہ ذیل آیت اتری تھی جو بعد میں منسوخ ہو گئی:

"بلغوا قومنا ان قد لقینا ربنا فرضی عنا فرضینا عنہ"

"ہماری قوم سے کہہ دو کہ ہم اللہ سے ملے، وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہو گئے"۔ (بخاری و مسلم)

اگر یہ آیت واقعی نازل ہوئی تھی تو مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اس کا باقی رہنا ضروری تھا"۔ (دو اسلام صٓ ۱۰۱)

یہ الفاظ مذکورہ تو اترے تھے مگر ان کے قرآن ہونے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ثبوت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وحی کے ذریعہ اطلاع پا کر یہ الفاظ سنائے تو ہو سکتا ہے کہ راوی نے قرآن سمجھ لیا ہو۔

اور ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ کو اس لئے منسوخ کر دیا ہو کہ اس کا عوض قرآن میں موجود ہے۔ یعنے آیت:

"بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین"

اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، ان کو اپنے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے، خوش ہیں"

قرآن مجید میں ہے:

"ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا ... الآیۃ"

کہ اگر ہم کوئی آیت منسوخ کر دیں تو اس سے بہتر یا اسی قسم کی آیت اور لے آتے ہیں"۔

اسی نوعیت کی ایک اور حدیث اس کے بعد پیش کی ہے:

"عن براء بن عازب قال نزلت ھذہ الآیۃ۔ حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ العصر فقرأناھا ماشاء اللہ ثم نسخھا اللہ ونزلت حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ" (صحیح مسلم ج ۲)

براء بن عازب سے روایت ہے کہ پہلے یہ آیت اتری "حافظوا علی الصلوٰت

والصلوٰۃ العصر" ہم کچھ عرصہ تک اسے پڑھتے رہے پھر منسوخ ہو گئی،
اور اس کی جگہ یہ نازل ہوئی۔ (دو اسلام صفحہ ۱۲۴)

اس کے متعلق بھی وہی جواب ہے جو پہلے دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ العصر کا لفظ بطور تفسیر بولا۔ راوی نے یہ سمجھا کہ شاید اسی طرح یہ آیت اتری۔ پھر جب اس کے بعد سننے کا اتفاق ہوا تو جیسے اصل آیت تھی ویسے ہی سنی، تو یہ سمجھا کہ شاید اب یہ آیت اتری ہے اور پہلی منسوخ ہو گئی ہے۔ دوسرا جواب وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔

آگے لکھتے ہیں :

"گوشت میں غذائیت بہت زیادہ ہے۔ قرآن نے بھی گوشت خوری کو بطور انعام بیان کیا ہے : "ومنھا تاکلون" انہیں انسان کھاتا بھی ہے، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام گوشت کو ایک نعمت سمجھ کر کھایا کرتے تھے۔ لیکن مؤطا کی ایک حدیث ہمیں گوشت جیسی نعمت سے اجتناب کا حکم دیتی ہے۔

"عن عمر بن الخطاب قال ایاکم واللحم فان لہ ضراوۃ کضراوۃ الخمر"
عمر فاروق فرماتے ہیں : "گوشت سے بچو، اس لئے کہ شراب کی طرح اس کی بھی عادت پڑ جاتی ہے"

. . . اگر ایک اچھی چیز کی عادت پڑ جائے تو حرج کیا ہے ؟ (دو اسلام صفحہ ۱۲۵)

یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے یعنی حضرت عمر رض کا قول ہے اور مرفوع کے مقابل موقوف حجت نہیں ہوتی۔ اس واسطے یہ حدیث آپ سے گوشت نہیں چھڑا سکتی۔ حضرت عمر رض کا بھی یہ مطلب نہ تھا کہ بالکل گوشت نہ کھاؤ بلکہ مطلب یہ تھا کہ اس کی عادت نہ ڈالو کیونکہ جس کو گوشت کھانے کی عادت پڑ جائے وہ سبزی ترکاری کو پسند نہیں کرتا بلکہ اس کو گوشت کے سوا دوسری دال ترکاری ہضم ہی نہیں ہوتی پس وہ گوشت کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے اور مجاہد کے لئے موزوں نہیں کہ اپنے آپ کو ایک خاص خوراک کا پابند بنائے۔ خود حضرت عمر گوشت کھاتے اور کھلاتے تھے جس کا ایک واقعہ مؤطا میں بھی ہے۔ پس آپ کو چاہیئے کہ دونوں کو ملا کر مطلب اخذ کریں۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)